پاکستان میں نظام زکوٰۃ وعشر کی اصلاح کے لیے تجاویز و منصوبۂ عمل

محمد ایوب کراچی

پاکستان کو فلاحی مملکت بنانا حکومت کا اوّلین فریضہ ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور حکومت کو اس بات کا پابند کرتا ہے کہ وہ انفرادی و اجتماعی حلقہ ہائے عمل میں مسلمانوں کو اس قابل بنائے کہ وہ اپنی زندگیوں کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھال سکیں۔ زکوٰۃ بشمول عشر اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے جس کی بنیادی غرض و غائیت حاجتمندوں ناداروں غریبوں اور معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والے طبقوں کی مدد کرکے پورے معاشرے کی فلاح کو یقینی بنانا ہے۔ صاحب نصاب مسلمانوں پر زکوٰۃ وعشر کا ادا کرنا اور مملکت پر ان کی مناسب تحصیل و تقسیم کا انتظام کرنا فرض گردانا گیا ہے۔ دستور پاکستان کی دفعہ ۳۱ جی مملکت پر یہ لازم قرار دیتی ہے کہ وہ زکوٰۃ کی مناسب تنظیم کا اہتمام کرنے کے لیے کوشش کرے۔

حکومت نے اپنی مذہبی و آئینی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے کافی غور وخوض اور تحقیق و جستجو کے ارتقائی منازل طے کرنے کے بعد زکوٰۃ وعشر کا آرڈیننس مجریہ ۱۹۸۰ء جاری کیا اور اس طرح پاکستان عالم اسلام کا وہ واحد ملک بن گیا جس میں اسلام کے فلاحی معاشی مقاصد کو پورا کرنے کے لیے عشر و زکوٰۃ کا ایک مربوط نظام موجود ہے۔ رقوم کی تشخیص وصولی، صرف اور تنظیم و انصرام کے لیے مرکزی، صوبائی، ضلعی، تحصیل اور مقامی سطحوں کی کمیٹیوں، بینکوں، مالیاتی اداروں، محکمہ مال اور دیگر منہا کنندگان اور انتظامیہ کے بے شمار افراد مامور کئے گئے ہیں۔

مصنف اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے شعبۂ تحقیق (اسلامک اکنامکس ڈویژن) سے منسلک ہے اس مضمون میں پیش کردہ آرا ان کی ذاتی ہیں۔

پہلی جدول میں رکھے گئے گیارہ اموالِ ظاہر پہ سے زکوٰۃ لازمی طور پر سر ماخذ سے ہی منہا کرلی جاتی ہے (Deduction AT Source) جبکہ دوسری جدول میں مندرج اثاثہ جات پر زکوٰۃ کی ادائیگی مالکِ اثاثہ کی صوابدید پر چھوڑ دی گئی ہے۔ نظامِ زکوٰۃ ۲۰ جون ۱۹۸۰ء سے ہی قائم کر دیا گیا تھا جبکہ عُشر سے متعلق دفعات کو ۱۵ مارچ ۱۹۸۳ء (ربیع ۱۹۸۳ء) کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ دس سال کا عرصہ کسی بھی نظام یا انتظام کی افادیت جانچنے کے لیے کافی سمجھا جاتا ہے۔

اب اس بات کا جائزہ لینا ضروری ہے کہ آیا یہ نظام ایسے نادار لوگوں کے لیے بنیادی ضرورت کی اشیاء فراہم کرسکا ہے جو بوجوہ معاشرے میں بنیادی ضروری وسائل حاصل نہ کرسکتے ہوں اور کیا غربت و افلاس کو کم کرکے غربا و مساکین کی مستقل بحالی کے ضمن میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔

جب ہم زکوٰۃ و عشر کے نظام کی کارکردگی، افادیت اور معاشرے پر اس کے اثرات پر غور کرتے ہیں تو صورت حال کچھ زیادہ خوش کن نظر نہیں آتی۔ اس کی وجوہات دو طرح کی ہیں ایک تو ابتدا ہی وصولی و تقسیم زکوٰۃ کے نظام میں کچھ خامیاں موجود تھیں۔ دوسری قسم کی وجوہات کا تعلق بدانتظامی اور معاشرے کے اہل کاران کے مجموعی مزاج سے ہے۔ وصولیٔ زکوٰۃ کی شرح اضافہ اثاثہ جات کی شرح اضافہ سے کم رہی ہے۔ جہاں زکوٰۃ کی مقدار ۱۰ سالوں میں تقریباً ۲۰۰ فیصد بڑھی، بینک امانتوں میں ۲۵۰ فیصد اضافہ ہوا۔ وصولیٔ عُشر نہایت تشویشناک حد تک کم ہوگئی۔ عشر کی تشخیص کردہ مقدار جو ۱۹۸۳ء میں ۳۲۷ ملین روپے تھی، ۱۹۸۹ء میں ۱۶۶ ملین روپے رہ گئی حالانکہ زرعی پیداوار کا اشاریہ (۱۰۰ : ۸۱-۱۹۸۰) جو ۸۴-۱۹۸۳ء میں ۹۵ تھا ۹۰-۱۹۸۹ء میں ۱۳۷ ہوگیا رضاکارانہ طور پر جمع کروائی گئی زکوٰۃ جو ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۲ ملین روپے تھی، ۹۰-۱۹۸۹ء میں صرف ۰.۸ ملین روپے رہ گئی۔

زکوٰۃ کی تقسیم اور معاشرے پر اس کے اثرات کے سلسلے میں بھی کوئی اچھی صورت سامنے نہیں آئی اور یہ نظام جسے شروع میں عوام کی طرف سے کافی پذیرائی ملی تھی اب عوام کا اعتماد کھو بیٹھا ہے۔ اگر تقسیمِ زکوٰۃ کے اثرات و مضمرات حوصلہ افزا اور قابلِ ستائش ہوتے تو نہ صرف جدولِ اوّل کے اثاثہ جات پہ لوگ دل جمعی اور رغبت سے زکوٰۃ ادا کرتے بلکہ اموالِ باطنہ پر بھی زکوٰۃ رضاکارانہ طور پر انتظامیہ کو وصول ہونا شروع ہو جاتی۔ کیونکہ اس طرح

☆ لاثواب الا بالنية ☆ (فقہی ضابطہ)

لوگوں کو خود بخود یہ احساس ہوتا کہ ان کی ادا کردہ زکوٰۃ واقعی ملک سے فقر و افلاس کے خاتمے کے لیے استعمال ہو رہی ہے۔ فلاحی معاشی نظام کے قیام کے لیے اسلام کے اس اہم ترین رکن کی یہ عملی صورت جو ہمیں پاکستان میں نظر آ رہی ہے کسی طرح بھی اطمینان بخش نہیں ہے۔ حکومت پاکستان نے بھی اس میں اصلاحات کے لیے ایک گیارہ رکنی کمیٹی قائم کر رکھی ہے جسے تجاویز و سفارشات پیش کرنے کا کام سونپا گیا ہے۔ راقم بھی اپنی ذاتی حیثیت میں کچھ تجاویز اس عرضداشت کے ساتھ پیش کرنے کی جسارت کر رہا ہے کہ علماء، متعلقہ اہل کاران اور حکومت کی ایجنسیوں کے ذمہ دار اصحاب معاشرے کی موجودہ حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے زکوٰۃ اور عشر کے نظام میں انقلابی تبدیلیاں لانے کے لیے نہ صرف ایک دوسرے سے تعاون کریں بلکہ اپنی اپنی جگہ پر اس کے لیے بھرپور سعی بھی کریں۔

اموالِ زکوٰۃ کی وصولی، تقسیم اور انتظام و انصرام کے بارے میں تجاویز بیان کرنے سے پہلے بنیادی اہمیت کے کچھ امور کا احاطہ نہایت ضروری ہے۔ اہم ترین بات یہ ہے کہ صرف نظامِ زکوٰۃ و عشر کے نفاذ سے فلاحی معاشرہ وجود میں نہیں آجائے گا اور اگر کوئی ایسی توقع رکھتا ہے تو اس کی سوچ غیر حقیقت پسندانہ ہے۔ چنانچہ سماجی و سیاسی طور پر اصلاحِ معاشرہ کے ساتھ ساتھ ایک منظم رضاکارانہ شعبے کا قیام بھی ہمارا مطمحِ نظر ہونا چاہیے۔ دوسری اہم بات یہ کہ پاکستان میں ٹیکسوں کی چوری اور لوٹ کھسوٹ کے سابقہ تجربہ کو مدنظر رکھتے ہوئے نئے نظام میں احتساب کے لیے خصوصی اقدامات کی ضرورت ہے۔ احتساب کے بغیر حکومت اپنی ذمہ داری اس دیانتداری سے اور صحیح طور پر انجام نہیں دے سکے گی جس کا یہ نظام متقاضی ہے۔ اور اس صورت میں اس کے قیام کا اختیاری ہی ختم ہو جائے گا۔ ایک اور بات یہ ہے کہ نظامِ زکوٰۃ و عشر بالکل نئے سرے سے ایک ایسے ملک میں شروع کیا گیا ہے جہاں کی اکثریت جاہل ہے۔ اس کی کامیابی کے لیے مختلف میڈیا پر ایک مؤثر تعلیماتی و ترغیباتی مہم کی ضرورت ہے جس میں نہ صرف عوام الناس کو اس مالی عبادت کی اہمیت سے آگاہ کیا جائے بلکہ انہیں قانونی و انتظامی امور سے بھی روشناس کروایا جائے۔ میرے ذہن میں ایک اور بنیادی بات یہ ہے کہ جزوی طور پر نافذ کردہ نظامِ زکوٰۃ ہماری توقعات کو کبھی بھی پورا نہیں کر سکے گا اس لیے اسے

☆ ثواب کا دارومدار نیت پر ہے ☆

وسیع البنیاد بنا کر پورے معاشرے میں کلی طور پر نافذ کرنا ہوگا۔
راقم کی تجاویز کو چار حصوں میں پیش کیا جاتا ہے۔
۱۔ ایک عظیم مقصد کے حصول کے لیے ملکی وحدت کا فروغ اور قوم کو ساتھ لے کر چلنا۔
۲۔ نظام زکوٰۃ وعشر کی انتظامیہ اور مختلف زکوٰۃ کونسلوں کمیٹیوں کے طریقہ ہائے کار میں بہتری۔
۳۔ زکوٰۃ اور عشر کی وصولی میں بہتری کے اقدامات۔
۴۔ حاصل کردہ زکوٰۃ فنڈز کی تقسیم اور فلاحی معاشرہ کے قیام کے لیے جہات کا تعین۔
۵۔ اموال زکوٰۃ کے مؤثر استعمال کے لیے قلیل وطویل مدت عملی منصوبہ۔

معاشرے کا من حیث المجموع اعتماد اور ملکی وحدت کا فروغ

۲۰ جون ۱۹۸۰ء کو جاری کیے جانے والے آرڈیننس کا اطلاق پاکستان کے تمام مسلمان شہریوں پر ہوتا تھا۔ اگرچہ ابتداء سے ہی غیر مسلموں پر کسی بھی قسم کے ایسے ٹیکس سے استثنیٰ کے نتیجے میں طبقاتی عدم مساوات کا موقع فراہم کر دیا گیا تھا مگر ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۸۰ کو فقہ کی بنیاد پر ادائیگی زکوٰۃ سے استثنیٰ فراہم کر کے ایک نئے نظام میں مزید خلا پیدا کر دیا گیا۔ اس ترمیم کے مطابق اگر کوئی شخص محسوس کرتا ہے کہ وصولیٔ زکوٰۃ کا نظام اس کی فقہ اور عقیدے کے مطابق نہیں ہے تو وہ استثنیٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے۔ لیکن عملی طور پر صرف اہل تشیع کو ہی مستثنیٰ کیا گیا۔ اس خلا کا یہ اثر سامنے آیا کہ کچھ دوسرے لوگ بھی اس حق کا نہ صرف غلط استعمال بلکہ مطالبہ کرنے لگے اور اعتماد کے فقدان کا یہ عالم ہوا کہ حنفی فقہ کے کچھ لوگوں نے بھی عدالت سے رجوع کیا کہ چونکہ ترمیم شدہ آرڈیننس کے مطابق کوئی بھی شخص اپنے خیال کے مطابق ادائیگی زکوٰۃ سے چھوٹ حاصل کر سکتا ہے اس لیے انہیں بھی مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

چونکہ جدید دور میں اور خصوصاً ہمارے ملک میں حکومت کی تشکیل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے یا نہ ہونے کا کوئی امتیاز نہیں رکھا جاتا اور عام مشاہدے کے مطابق اہل تشیع کو حکومت میں ان کی آبادی کے تناسب سے زیادہ حصہ ملتا ہے اس لیے ان کے علماء کو یہ چاہیے تھا کہ وہ اپنے اس عقیدے کو کہ "کوئی حکومت اس وقت تک زکوٰۃ وصول نہیں کر سکتی

جب تک کہ وہ رسولؐ کی جائز اور قانونی وارث نہ ہو"۔ (جو کسی نص سے ثابت نہ ہونے کی وجہ سے دین اسلام کا جزو نہیں ہے) بالائے طاق رکھتے ہوئے فقر و افلاس کے خلاف جنگ میں پوری قوم کے شانہ بشانہ چلتے۔ مگر سیاسی اختلافات کی بناء پر اس وقت کی حکومت کو مصلحت پسندی پر مجبور کر کے استثنیٰ حاصل کر لیا گیا۔ اس صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے جو تجویز میرے ذہن میں ہے وہ یہ ہے کہ ہر صاحب استطاعت شخص سے خواہ کسی بھی مذہب یا فقہ کا ماننے والا ہو سماجی بھلائی کے لیے ٹیکس لیا جائے۔

زکوٰۃ اگرچہ عبادت ہے تاہم اس کی ایک محاصل اہمیت بھی ہے۔ دیگر محاصلات کی موجودگی میں اس کی ادائیگی بلاشبہ ایک اضافی بار ہے۔ چنانچہ ملک کی تمام آبادی کے کچھ طبقوں کو مذہبی یا فقہی اختلاف کی بنا پر زکوٰۃ کی ادائیگی سے مستثنیٰ کر دینا غیر منصفانہ ہی نہیں بلکہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کے ساتھ امتیازی سلوک بھی ہے۔ میری تجویز ہے کہ قابل زکوٰۃ اموال کا تفصیل کے ساتھ تعین کیا جائے اور ملک کی تمام آبادی کی حد تک ان اموال پر تین فیصد اور زرعی پیداوار پر ساڑھے پانچ فیصد کی یکساں شرح سے بلا لحاظ مذہب و فقہ ایک فلاحی ٹیکس عائد کر دیا جائے۔ اس ٹیکس کے اندر یہ رعایت بھی رکھ دی جائے کہ جن اموال یا زرعی پیداوار پر زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی ثابت کر دی جائے گی ان سے فلاحی ٹیکس کی وصولی صرف نصف فیصد ہو گی جبکہ دیگر صورت میں فلاحی ٹیکس پوری شرح سے وصول کیا جائے گا۔ اس طرح اس ٹیکس کے اندر زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور صاحب استطاعت آبادی کا کوئی طبقہ فلاحی ٹیکس کی ادائیگی سے بھی مستثنیٰ نہ رہے گا۔ فلاحی ٹیکس کی شرح زکوٰۃ سے نصف فیصد اس لیے زیادہ تجویز کی گئی ہے کہ معاشرے کے تمام اہل ثروت بلاتفریق مذہب و عقیدہ معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جانے والوں کی بہبود میں شامل ہو کر سماجی انصاف اور قومی یکجہتی کا سبب بنیں۔ فلاحی ٹیکس سے حاصل شدہ آمدنی بلا امتیاز مذہب و ملت ملک کے تمام مفلس و مفلوک الحال افراد کی بحالی کے لیے استعمال ہو سکے گی۔

زکوٰۃ کمیٹیوں اور کونسلوں کے طریق کار کی اصلاح

ملک بھر میں مختلف درجوں کی زکوٰۃ کمیٹیوں سے اس وقت تقریباً تین لاکھ افراد منسلک

ہیں جو اپنے اپنے علاقوں کے چیدہ اور بااثر لوگ ہیں اگر ان کی کارکردگی کو منظم شکل دے کر مطلوبہ ضوابط ونگرانی کے تحت لایا جائے تو ملک سے نہ صرف فقر وافلاس ختم ہو جائے گا بلکہ ملک سماجی ومعاشی لحاظ سے بھی ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا۔ مرکزی وصوبائی زکوٰۃ کونسلوں کا یہی سب سے بڑا امتحان ہے کہ وہ مقامی، تحصیل وضلع زکوٰۃ کمیٹیوں کے اہل کاران کو اس مذہبی وسماجی فریضہ کی کماحقہ ادائیگی پر کس طرح برضا ورغبت آمادہ کرتے ہیں کہ ان میں ہر ایک احتساب وذمہ داری کی زنجیر کی ایک کڑی بن جائے۔ پالیسی بنانے اور اس پر عملدرآمد کے لیے ہدایات جاری کرنے کی ذمہ داری مرکزی زکوٰۃ کونسل پر ہے تو مقامی کمیٹیوں (LZCS) کا کام ان ہدایات کو عملی جامہ پہنانا ہے۔ تحصیل، ضلع وصوبائی کمیٹیاں مرکزی کردار ادا کرنے والی مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں اور مرکزی زکوٰۃ کونسل کی معاون / مشیر کے طور پر کام کرتی ہیں ہمیں اصل توجہ مقامی کمیٹیوں پر مرکوز کرنا ہوگی جن کی تعداد اس وقت ملک میں چالیس ہزار کے لگ بھگ ہے۔ عشر کی وصولی کا کل انحصار ان پر ہے۔ مستحقین کی نشاندہی اور ان کی بروقت امداد ومستقل بحالی کا کام بھی مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کی کارکردگی پر منحصر ہے۔ اس کے لیے درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

مقامی کمیٹیوں کے ارکان کی تعداد متعین نہ کی جائے جیسا کہ آج کل سات ہے۔ جب انہوں نے رضاکارانہ طور پر کام کرنا ہے تو کم سے کم تعداد سات رکھ کر زیادہ سے زیادہ کے لیے آبادی یا محلے والوں کی صوابدید پر چھوڑ دی جائے۔ ارکان کا چناؤ گاؤں کے کھلے اور عام اجلاس (GENERAL BODY MEETING) میں کیا جائے ضلعی یا تحصیل زکوٰۃ کمیٹی کا کوئی نمائندہ اس چناؤ کی کاروائی کی نگرانی کرے۔ کم سے کم تین دن پہلے پورے گاؤں میں چناؤ اجلاس کا اعلانِ عام کیا جائے۔ چونکہ یہ نظام مذہب کا ایک اہم جزو ہے اس لیے ترجیحاً یہ اجلاس آبادی کی جامع مسجد میں بلایا جائے مقامی کمیٹی کا ممبر بننے کیلیے رکھی گئی شرائط کو لوگوں کے سامنے پڑھ کر سنایا جائے! اور پھر لوگوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ اپنی صوابدید کے مطابق ارکان کیلیے نام پیش کریں۔ ضرورت پڑنے پر ووٹنگ کرائی جائے اور پھر اسی اجلاس میں ہی ارکان میں سے سب سے زیادہ نیک وپرہیزگار اور ترجیحاً پڑھے لکھے شخص کو چیئرمین چن لیا جائے ممبر بننے کی شرائط یہ ہوسکتی ہیں۔ (i) پانچوں نمازیں پڑھنے والا اور ترجیحاً باجماعت ادا کرنے والا۔ (ii) اپنے گاؤں اور قرب وجوار میں ظلم وحق تلفی میں ملوث نہ رہا ہو اور اگر چناؤ

اجلاس میں کوئی شخص اس کے کردار پر انگلی اٹھائے تو اسے امیدوار نہ سمجھا جائے۔ (iii) وہ سیاست میں اس طرح حصہ نہ لیتا ہو جس سے خدشہ ہو کہ وہ کمیٹی کے کام میں مکمل غیر جانبداری سے کام نہیں لے گا۔ (iv) ترجیحاً تعلیم یافتہ ہو اور اس کا ذریعہ روزگار ایسا ہو کہ وہ کمیٹی کے کام کے لیے کچھ وقت نکالنے پر قادر ہو۔ خصوصاً چیئرمین ایسے شخص کو بنایا جائے جو انتظامیہ کی طرف سے موصول ہونے والی دستاویزات کو پڑھ کر ان پر عملدرآمد کو یقینی بنا سکے۔

مقامی زکوٰۃ کمیٹی کے ارکان میں ترجیحاً تکنیکی ماہرین بھی شامل ہونا چاہیں (مرد وخواتین) گاؤں یا متعلقہ آبادی کے سکول کا ایک استاد بھی جو اسی گاؤں کا رہنے والا ہو بطور رکن کمیٹی کے کام میں بہت معاون ثابت ہوگا۔ ارکان کی مدت نمائندگی کے تعین کی بھی ضرورت نہیں ہے جب تک کوئی رکن دیانتداری اور محنت سے کام کرتا ہے اُسے اس خدمت کا موقع دیا جانا چاہیے۔ کوئی ممبر اگر بدنظمی مقامی کھاتوں میں خرد برد یا کمیٹی کے کام میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرتا ہے تو تین چوتھائی ارکان کے فیصلے اور پھر ہر سہ ماہی میں ہونے والے عام اجلاس میں اس کی ممبرشپ ختم کرکے اس کے خلاف حسب ضرورت تادیبی کارروائی کی جائے تحصیل کی سطح پر دو تنخواہ دار ارکان کی ایک کمیٹی بنائی جائے جسے مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کی نگرانی ورہنمائی کا کام سونپا جائے۔ انتظامیہ کا یہ فرض ہے کہ ان دو آدمیوں کا چناؤ خالصتاً ان کی مہارت دیانتداری، فہم وفراست اور علاقہ کے عوام پر ان کے دائرۂ اثر کی بنیاد پر کرے۔ یہ بات یقین سے کہی جاسکتی ہے کہ پورے علاقہ میں ان خصوصیات کے دو آدمی تو مل جائیں گے۔ یہ ارکان مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کے تمام تنظیمی وتکنیکی کام کی نگرانی کریں گے عُشر کے تعین اور وصول میں ان کی راہنمائی کریں گے، سماجی بھلائی کے لیے منصوبہ جات کو آخری شکل دیں گے اور مقامی کھاتوں کے محاسبہ کا بندوبست کریں گے۔ اس سے اوپر والی کمیٹیوں اور کونسلوں کے احتساب کا بھی مؤثر انتظام ضروری ہے۔ جو مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کی طرح پیچیدہ نہیں ہے صرف محنت اور دلجمعی سے ذمہ داری نبھانے کا احساس ضروری ہے۔ مرکزی اور صوبائی زکوٰۃ کونسلیں عملے کے لیے رہنما اصول مرتب کریں اور ان پر عملدرآمد کو یقینی بنا کر عوام الناس کے اعتماد کو بحال کرنے کی کوشش کریں۔

زکوٰۃ و عُشر کی وصولی

زکوٰۃ: نظامِ وصولی میں بہتری لانے کے لیے درج ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) تجارتی و صنعتی اموالِ تجارت (INVENTORIES OR STOCKS IN TRADE) پر لازمی زکوٰۃ پہلے مرحلہ میں خود تشخیص کی بنیاد پر عائد کی جائے۔ شہروں و قصبوں میں مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کی تنظیمِ نو اور ان میں ماہر ارکان کی موجودگی پر تشخیص کا کام خود حکومت بھی اپنے ذمہ لے سکتی ہے۔ فی الحال صرف چیدہ افراد کی خود تشخیص کو چیک کیا جائے۔ دولت کی اتنی اہم مد کو جدول دوم میں رکھنے یعنی اختیاری امر بنانے کے بُرے نتائج نکلیں گے۔ خوشحال تاجر طبقے اور صنعتی اداروں کے اموال تجارت کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے سے نظامِ زکوٰۃ کی انصاف پسندی اور موزونیت بری طرح متاثر ہوتی ہے اور زکوٰۃ کی رقوم میں نمایاں کمی ہوئی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات اہم ہے کہ اسلامی نظریاتی کونسل بھی اس بات کی بھرپور سفارش کر چکی ہے۔

(ii) ایسی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد جو کوئی شخص آگے بیچنے کے لیے خریدے اس کی حیثیت مالِ تجارت (STOCK IN TRADE) کی ہوگی اس لیے سالِ زکوٰۃ کے آخر میں اس کی بازاری مالیت پر ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ عائد کی جائے۔ ان میں پلاٹ، مکان اور ایسی صنعتی جائداد شامل ہے جو آگے بیچ کر منافع کمانے کی غرض سے خریدی جائے۔

(iii) زرِ مبادلہ کے بنک اکاؤنٹس سے ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ لازمی طور پر وصول کی جائے۔

(iv) حصص اور سرٹیفکیٹس وغیرہ پر زکوٰۃ ان کی اُس وقت کی بازاری مالیت کے حساب سے کاٹی جائے جب ان پر منافع دیا جاتا ہو۔

(v) کمپنیوں کے قابلِ وصول قرضوں (BOOK DEBTS/ACCOUNTS RECEIVABLES) پر بھی زکوٰۃ عائد کی جانی چاہیے۔ ان پر ادائیگیٔ زکوٰۃ کے وقت کے بارے میں کئی لوگوں نے اپنی مختلف رائے کا اظہار کیا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ حساب کتاب کی پیچیدگی سے بچنے کے لیے مندرج کھاتہ جات قرضوں پر ہر سال زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔ جن واجبات کو قابلِ زکوٰۃ اموال سے

نکالنا ہوگا ان میں صرف قابلِ زکوٰۃ اثاثہ جات کے حصول کیلئے لیے جانے والے قرضہ جات شامل ہیں۔ ان کی مثال تجارتی قرض خواہاں (TRADE CREDITORS) ہیں۔

(vi) ایسی میعادی مالیاتی دستاویزات جو ایک سال سے زیادہ عرصہ کے بعد فک (ENCASH) کروائی جاتی ہیں یا جن پر حاصل صرف ان کے فک کروانے پر ہی ملتا ہے۔ ہر سال ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ عائد کی جائے۔ مثال کے طور پر موجودہ صورت حال میں این آئی ٹی یونٹس اور سپیشل سیونگ سرٹیفکیٹس پر تو ہر سال زکوٰۃ عائد کی جاتی ہے مگر ڈی ایس اور طویل المیعاد کھاتوں وغیرہ سے زکوٰۃ صرف ان کی (ENCASHMENT) یا بختگی کے وقت ایک دفعہ ہی ۲½ فیصد کے حساب سے منہا کی جاتی ہے۔ یہ بات تحصیلات زکوٰۃ میں کمی کے ساتھ ساتھ ناانصافی کا سبب بنی ہے۔

(vii) اداروں کی طرف سے جاری کئے جانے والے مختلف اقسام کے بانڈز اور اسناد وغیرہ کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کرنے کا کام فوراً روک دیا جائے۔ ایک آرڈیننس کے ذریعے اس سے پہلے جاری کئے جانے والے بانڈز وغیرہ پر سے بھی زکوٰۃ لازمی طور پر منہا کی جائے۔ بعد میں اسے باقاعدہ قانونی شکل دی جائے۔

(viii) انعامی بانڈز اور لاٹریز کا کاروبار اگرچہ دیگر سودی وثیقہ جات کی طرح اسلامی اصولوں سے مطابقت نہیں رکھتا مگر جس طرح حکومتی تمسکات اور سودی دستاویزات پر سے سر ماخذ زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے اسی طرح ۵۰۰۰ روپے اور اس سے زیادہ کی انعامی رقوم پر ۲۰ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ لی جائے۔ اس لیے کہ یہ انعام رکاز (TREASURE TROVES) کی تعریف میں آتے ہیں۔ ان پر سے انکم ٹیکس ختم کر دیا جائے۔

(ix) ایسے اموال مستفاد (باقاعدگی سے حاصل ہونے والی آمدنی) جو کسی شخص کے زائد از ضرورت اثاثہ جات مثلاً کرائے پر دیے گئے مکانات سے حاصل ہوں ان پر زکوٰۃ کے بارے میں علماء اور خاص طور پر اسلامی نظریاتی کونسل کوئی متفقہ فیصلہ کریں۔ یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ عموماً زکوٰۃ بچتوں پر لگتی ہے نہ کہ آمدنی پر، اس لیے مشینری، بسوں، ٹرکوں اور مکان کے کرایہ پر زکوٰۃ عائد نہ کی جائے حالانکہ مویشیوں اور زرعی پیداوار کی زکوٰۃ بچتوں پر نہیں بلکہ تعداد یا مقدار کے حساب سے

عائد ہوتی ہے۔ میرے خیال میں مشینری اور بسیں وغیرہ ایسی سرمایہ کاری ہیں جن سے روزگار کے مواقع اور قومی پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے۔ اس لیے زکوٰۃ ان کے مالکان کی بچت پر ہی عائد کی جائے مگر کرائے پر دیے گئے مکان کے کرایہ پر ۲½ فیصد کے حساب سے زکوٰۃ عائد کرنے کے معاملے پر غور کیا جانا چاہیے۔ بشرطیکہ ان کے مالکان مستحقین زکوٰۃ میں شامل نہ ہوں۔ (مال مستفاد حاصل کرنے والے تنخواہ دار طبقے کی بچت پر ہی زکوٰۃ عائد ہوگی)۔

زکوٰۃ کٹوتی کے سلسلے میں ضمناً کچھ امور کا تذکرہ ضروری ہے۔ اولاً، زکوٰۃ کی ادائیگی پر آمد نی ٹیکس میں چھوٹ دی جاتی ہے۔ یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کیونکہ اس سے صاحب مال پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا بوجھ نصف سے بھی کم رہ جاتا ہے۔ زکوٰۃ کے طور پر زیادہ رقم دینے کی کوئی رغبت بھی نہیں ہے مزید برآں اس طرح کی چھوٹ کا دعویٰ عام طور پر امیر لوگ ہی کرتے ہیں اور درمیانہ طبقے کے لوگ زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ ثانیاً، نصاب زکوٰۃ کے بارے میں بعض لوگ اس رائے کا اظہار کرتے ہیں کہ چاندی کو بنیاد بنا کر مقرر کیا جانے والا نصاب حقیقت پسندانہ نہیں ہے میری رائے میں یہ نصاب صحیح اور زکوٰۃ کی روح کے مطابق ہے۔ بچت کھاتوں اور حصص وغیرہ کے ضمن میں چاندی کے نصاب کو بنیاد بنانے میں اس مفروضے سے فائدہ اُٹھایا گیا ہے کہ ان کھاتوں کے مالکان کی عمومی مالی حالت، ان کے گھروں میں موجود نقد رقوم، سونے چاندی کے زیوارات، حصص میں سرمایہ کاری اور انعامی بانڈز اور دیگر مالی تمسکات کے مملوکات کے باعث اچھی ہے اسی لیے ان کے بچت کھاتوں میں نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ رقم بچ رہتی ہے۔ بچت کھاتوں کے سلسلہ میں تعیینِ نصاب کے لیے چاندی کو اس لیے بھی بنیاد بنایا گیا ہے کہ نقد رقوم یا اس سے ملتے جلتے اثاثوں (جیسے کہ بچت کھاتے ہیں) کے لیے چاندی کا نصاب ہی وہ بنیاد فراہم کرتا ہے جو زکوٰۃ کی روح کو مدنظر رکھتے ہوئے انفع للفقراء والمساکین ہے۔ چنانچہ زکوٰۃ وعشر آرڈیننس ۱۹۸۰ء کے تحت طے کردہ نصاب اس سلسلہ میں بہترین بنیاد مہیا کرتا ہے۔ اور قیاساً بھی چاندی کے نصاب کو ترجیح حاصل ہے۔ لہٰذا کسی نئے فارمولے یا سونے کو نصاب کی بنیاد بنانے کا کوئی جواز نہیں۔

زکوٰۃ کی منہا کار ایجنسیوں کے اہل کاران کی مطلوبہ ٹریننگ بھی وصولیٔ زکوٰۃ کے نظام کو بہتر

بنانے کے لیے بہت ضروری ہے مرکزی زکوٰۃ کونسل اس سلسلے میں واضح اور عام فہم احکامات جاری کرے کہ مختلف قسم کے اثاثہ جات پر زکوٰۃ کی لازمی کٹوتی کب اور کس طرح ہونی چاہیے اس کے علاوہ عوام میں اس مذہبی فریضہ کی اہمیت کا احساس پیدا کرنے کے لیے ترغیباتی مہم بھی وقفے وقفے سے جاری رہنی چاہیے۔

عُشر وصولیٔ عشر کا نظام زکوٰۃ کی نسبت زیادہ اصلاح کا متقاضی ہے. کم آمدنی والے طبقوں کا ایک بہت بڑا حصہ ہمارے دیہات میں رہتا ہے دیہات سے غربت وافلاس کو ختم کرنے کے لیے عشر کی زیادہ سے زیادہ وصولی اور اس کا بہتر استعمال بہت ہی زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس میں لوٹ کھسوٹ، چوری اور ادائیگی سے فرار کے بھی بہت مواقع ہیں۔ استطاعت سے زیادہ اور ناجائز بوجھ بھی دیہات کے محنت کش عوام میں حوصلہ شکنی اور مذہبی روایات سے دوری کا سبب بن سکتا ہے اس لیے نفاذِ عشر کے سلسلے میں بہت زیادہ فہم وفراست اور بہتر انتظام وانصرام کی ضرورت ہے۔

عُشر کے بارے میں ایک بنیادی بات یہ ہے کہ یہ زمین کا یا کاشتکار کی آمدنی کا ٹیکس نہیں بلکہ کسی شخص کی زمین سے حاصل شدہ پیداوار (HARVEST) پر عائد ہوتا ہے۔ اس طرح ہر فصل میں نصاب کا تعین بھی الگ الگ ہوگا۔ کسی قطعۂ زمین پر بوئی جانے والی ہر فصل خواہ وہ سال میں کتنی ہی دفعہ بوئی جائے، پر عائد ہوگا۔ فصل تباہ ہونے پر عشر نہیں لگے گا۔ زکوٰۃ و عُشر آرڈیننس ۱۹۸۰ء کسی شخص کو لازمی ادائیگیٔ عشر سے اس صورت میں مستثنیٰ کرتا ہے، جب اس کی اراضی سے پیداوار ۹۴۸ کلوگرام گندم یا اس کی مساوی مالیت کے برابر ہو۔ اس میں یہ وضاحت نہیں کی گئی کہ پیداوار کی مالیت ہر فصل کے لیے الگ الگ شمار کی جائے گی۔ اسی طرح پیداوار کی مقدار کے تعین کے لیے بھی کوئی واضح طریقہ کار نہیں بتایا گیا اس لیے ملک کے مختلف حصوں میں تشخیصِ عُشر کے الگ الگ معیار مقرر کئے گئے ہیں۔ کئی ضلعوں میں تو پٹواری یا تپے دار کے زیر کاشت رقبے سے متعلق ریکارڈ کی بنیاد پر ہی عُشر لگا دیا جاتا ہے اس کے لیے کئی جگہوں پر تو نمونے کی کٹائی (Model HARVEST) کر کے پیداوار کا اندازہ اور فی ایکڑ عشر کا تعین کر دیا جاتا ہے اور کہیں صرف اندازوں سے کام چلایا جاتا ہے۔ بعض علاقوں کے بارے میں یہ

بھی پتہ چلا ہے کہ وہاں عشر کی تشخیص و وصولی کا کام ہوتا ہی نہیں چونکہ عشر اسی علاقے میں خرچ ہونا ہے جہاں سے لیا جاتا ہے اس لیے ایسے علاقوں میں انتظامیہ کاہلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کا نوٹس ہی نہیں لیتی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پٹواری جس طرح خرابہ فصل کی بنیاد پر رشوت لیتا ہے اسی طرح عشر جیسے مذہبی فریضے میں بھی کھلم کھلا خرد برد کرتا ہے۔ بہت کم جگہیں جہاں کی مقامی کمیٹی کے لوگ ذمہ دار دیانتدار اور پڑھے لکھے ہیں ایسی ہیں جہاں کسی حد تک مقدار پیداوار کے بعد عشر کی تشخیص کی جاتی ہے اس سلسلے میں یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ تخمینہ کی بنیاد (ESTIMATION BASIS) کو اصل پیداوار کی بنیاد (ACTUAl PROduce BASIS) سے بدل دیا جائے۔ گاؤں میں اکثر لوگ ایک دوسرے کی زمین سے حاصل ہونے والی فصل کی مقدار وغیرہ سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ خاص طور پر گنا، گندم، کپاس، دھان اور دیگر بڑی فصلوں کے بارے میں لوگوں کو معلوم ہو جاتا ہے۔

فصل کی کٹائی کے کچھ عرصہ کے اندر اندر جب مقامی کمیٹی کے ارکان مناسب سمجھیں، گاؤں والوں کا ایک عام / کھلا اجلاس گاؤں کی جامع مسجد میں بلائیں اس اجلاس میں ہر کاشتکار اپنی اپنی فصل کی مقدار سے کمیٹی کو آگاہ کرے۔ گاؤں کے سب لوگوں کی موجودگی میں کوئی شخص غلط بیانی نہیں کر سکے گا یا اس کا احتمال بہت کم ہوگا۔ مثال سے اس طرح واضح کیا جا سکتا ہے کہ افضل نے دو ایکڑ گنا اپنی زمین میں، ایک ایکڑ ٹھیکے پر لی ہوئی زمین میں اور ایک ایکڑ حصہ (مضارعت) پر لی گئی زمین میں بویا وہ گنا اس نے شوگر مل پر بھیج دیا۔ وہ مقامی کمیٹی کو بتائے گا کہ ۱۰۰۰ من گنا اس کے اپنے کھیتوں سے ۶۰۰ من ٹھیکے کی زمین سے اور ۲۰۰ من مزارعت پر لی گئی زمین سے بطور حصہ ملا۔ اس طرح اس کی گنے کی فصل کی کل مقدار ۱۸۰۰ من ہوگئی جس کی مالیت مقدار نصاب (تقریباً ۲۶۵۵ روپے) سے زیادہ ہے۔ (اس میں وہ جھوٹ نہیں بول سکے گا کیونکہ اس کی اصل پیداوار بہت لوگوں کے علم میں ہوتی ہے) اب اگر زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کی دفعہ ۶ کی ذیلی دفعہ ۲ میں دی گئی ایک چوتھائی چھوٹ بطور پیداواری اخراجات دی جائے تو ۴۵۰ من کی چھوٹ نکال کر قابلِ زکوٰۃ مقدار ۱۳۵۰ من رہ جائے گی۔ چونکہ ¼ حصہ کی چھوٹ

اسے پہلے ہی دے دی گئی ہے اس لیے مزید چھوٹ دیے بغیر مال کی قیمت خرید (PROCUREMENT PRICE) کے حساب سے اس کی مالیت لگا کر ۵ فیصد کی شرح سے عشر عائد کر دیا جائے۔ اگر قیمت ۱۵ روپے فی من ہے تو مالیت ۲۰۲۵۰ روپے بنے گی اور اس پر عشر کی مقدار ۱۰۱۲۶۵۰ روپے ہوگی۔ ایسا کاشتکار جو اپنی یا کرائے پر لی گئی زمین کے بجائے صرف مضارعت پر فصل بوتا ہے اسے زکوٰۃ آرڈیننس کے تحت مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ عام حالات میں صرف مضارعت پر کاشتکاری کرنے والوں کی مالی حالت خستہ ہی ہوتی ہے مگر مخصوص صورتوں میں اگر گاؤں والے اور کمیٹی کے ارکان یہ سمجھتے ہوں کہ کوئی شخص کافی مقدار میں زرخیز زمین پر کاشتکاری کر رہا ہے، فصل اچھی ہے اور اس کی مالی حالت بھی اچھی ہے تو اس پر بھی عشر عائد کیا جا سکتا ہے۔ ایک دوسری تجویز یہ بھی ہے صرف اُن مزارعین کو مستثنیٰ قرار دیا جائے جو زکوٰۃ کے مستحقین میں شامل ہوں۔

درج بالا طریقے کے تحت پر کاشتکار اپنی پیداوار کے حساب سے عشر دے گا جبکہ موجودہ نظام میں فی ایکڑ عشر کا اعلان کر دیا جاتا ہے مثلاً گنے پر ۱۵۰ روپے گندم پر ۷۵ روپے کپاس پر ۱۰۰ روپے فی ایکڑ۔ پھر پٹواری کے ریکارڈ کے مطابق ہر کاشتکار کے عشر کی تشخیص کی جاتی ہے جس سے ان لوگوں پر تو ظلم ہوتا ہے جن کی فصل کسی آفت سے تباہ ہو جاتی ہے یا پیداوار کم ہوتی ہے چنانچہ وہ عشر سے معافی کی درخواست دیتے ہیں اور پٹواری صاحبان رشوت لے کر خرابی فصل کا سرٹیفکیٹ دے دیتے ہیں۔ مگر وہ لوگ جن کی فصل بہت اچھی ہوتی ہے وہ عشر کی پوری ادائیگی سے بچ جاتے ہیں۔ اگر اصل پیداوار کو بنیاد بنایا جائے تو اس سے ایک طرف تو مجموعی طور پر عشر کی وصولی میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا اور دوسری طرف ظلم و ناانصافی کا تدارک ہو سکے گا۔ اس طریقہ کار کو استعمال میں لانے کا یہ مطلب بھی ہوگا کہ عشر کی تشخیص کے کام کو عام ریونیو سے الگ کر دیا جائے۔

زکوٰۃ کی طرح عشر کے سلسلے میں بھی یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ قطع نظر مذہب و فقہ کے، نصاب اور اصل پیداوار کو مدنظر رکھتے ہوئے تمام زمینوں پر مساوی محصول عائد کیا جائے۔ صرف مسلمانوں یا کچھ فرقوں کی زرعی پیداوار کو زیر محصول لانا اور دوسروں کو مستثنیٰ قرار دینا ناانصافی کے مترادف ہے۔ مذہب سے ہٹ کر بھی تمام اہل ثروت و استطاعت کا یہ سماجی فریضہ

ہے کہ افلاس سے دوچار اپنے اہل محلہ وگاؤں اور ہم وطنوں کی حالت بہتر بنانے میں اپنا حصہ ادا کریں۔ زرعی پیداوار پر اس محصول کی حیثیت ایک مذہبی فریضہ کی یا سوشل ویلفیئر ٹیکس کی ہوگی۔

زکوٰۃ کی طرح عشر کے بارے میں بعض محققین کی طرف سے ایک باریک نکتے کی نشاندہی کی گئی ہے اگر الف کی پیداوار ۹۸۰ کلوگرام ہو تو اس پر عشر ۴۹ کلوگرام لگے گا اور اس کے اپنے پاس ۹۳۱ کلو رہ جائیں گے جبکہ اگر ب کی پیداوار ۹۴۰ کلوگرام ہوئی تو وہ ویسے ہی مستثنیٰ سمجھا جائے گا۔ علماء اور اسلامی نظریاتی کونسل کو اس سلسلے میں اجتہاد کرنا چاہیے۔ البتہ میرے ذہن میں اس کا ایک حل یہ ہے کہ عشر کا نفاذ اس طرح کیا جائے کہ ادائیگی کے بعد ۹۴۸ کلوگرام گندم یا اس کے مساوی فصل کسان کے پاس بچ جائے۔ مثلاً مذکورہ بالا الف کی پیداوار پر ۴۹ کلو کی بجائے ۳۲ کلوگرام عشر عائد کیا جائے۔

اس سلسلے میں اصل اجتہاد طلب پہلو یہ ہے کہ ۵ وسق یا ۹۴۸ کلوگرام گندم کی مالیت کو نفاذِ عشر کی حد ہی رہنے دیا جائے یا چھوٹ کی حد (EXEMPTION LIMIT) بنا دیا جائے۔ زکوٰۃ وعشر آرڈیننس ۳/۱ یا ۴/۱ حصہ تک چھوٹ کی اجازت دیتا ہے اس کی بجائے اگر ۵ وسق پیداوار تک چھوٹ دے دی جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہوگی اور عشر کی مجموعی وصولی پر اس کا اثر پڑے گا؟ یہ ایک تحقیق طلب مسئلہ ہے۔ مقدارِ نصاب کو چھوٹ قرار دینے کے بعد ۲۰۰۰ کلوگرام پیداوار پر عشر ۱۰۲٫۵۰ کلو اور ۱۰۰۰۰ کلوگرام پر ۵۰۵٫۴ کلو ہوگا۔ جبکہ پہلی صورت حال میں عشر کی مقدار بالترتیب ۱۱۲٫۵ کلو اور ۳۷۵ کلو ہوتی۔ (زکوٰۃ کے سلسلے میں چونکہ کوئی چھوٹ نہیں دی جاتی اس لیے اس میں اس قسم کی تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے) اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ ۳/۱ یا ۴/۱ حصہ کی چھوٹ کو ختم کر کے ۵ وسق کو چھوٹ کی حد بنا دیا جائے تو عشر ایک (PROGRESSIVE) ٹیکس بن جائے گا۔ کم پیداوار کے لیے چھوٹ نسبتاً زیادہ ہوگی۔ اس سے فقہی اختلاف بھی بے معنی ہو جائے گا کہ زرعی پیداوار پر اٹھنے والے اخراجات کو منہا کیا جائے یا نہیں کونسے اور کتنے اخراجات منہا کیے جائیں۔ اندازہ یہ ہے کہ اس سے عشر کی مجموعی مقدار میں اضافہ ہوگا جو انفع للفقراء ہونے کی بنا پر زیادہ بہتر صورت ہے۔ علماء سے اس سلسلے میں عمیق سوچ و بچار کی درخواست

کی جاتی ہے۔

عشر سے حاصل ہونے والی رقوم اگرچہ زیادہ تر اسی علاقے میں خرچ ہونا ہیں جہاں سے اکٹھی ہوں، اس میں شرعی لحاظ سے کوئی قباحت نہیں بلکہ یہ بہتر ہے مگر ضروری ہے ایک مرتبہ ساری رقوم تحصیل یا ضلع کی سطح پر عشر فنڈ میں جمع ہوں۔ پھر وہاں سے ان کی تقسیم کی جائے۔ اس سے مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کی کارکردگی کا احتساب آسان ہوگا اور رقوم کے زیادہ بہتر استعمال میں مدد ملے گی۔

موسمی حالات میں خرابی یا بعض دیگر وجوہات کی بناء پر عشر کی مقدار سال بہ سال کم یا زیادہ ہو سکتی ہے مگر مجموعی یا طویل المدت رجحان اضافے کی طرف ہوگا اس لیے فصلوں کی پیداوار کو مدنظر رکھے بغیر سالانہ سطح پر وصولی عشر کا تقابل ممکن نہیں ہوگا۔

تقسیم زکوٰۃ وعشر کے بارے میں رہنما اصول

تقسیم صدقات یعنی زکوٰۃ کی آٹھ مدات قرآن پاک میں بیان کر دی گئی ہیں۔ اس میں مفلس۔ محتاج یا مساکین، کارکنانِ زکوٰۃ اور تالیفِ قلوبِ المسلمین کے لیے قرآن نے حروف جار کے طور پر "ل" کا لفظ استعمال کیا ہے اور دوسری چار مدات یعنی غلاموں کے آزاد کرانے، قرضداروں (کے قرض ادا کرنے)، خدا کی راہ میں اور مسافروں کی بوقتِ ضرورت امداد کے لیے "فی" کا لفظ استعمال کیا ہے۔(ل اور فی کی وضاحت آگے دی گئی ہے) ان میں سے کچھ مدات وقتی حالات کے مطابق موقوف ہو سکتی ہیں اور حالات تبدیل ہونے اور ضرورت پڑنے پر دوبارہ شامل بھی کی جا سکتی ہیں۔ مستقل اور اہم مستحقینِ زکوٰۃ میں فقراء، مساکین، عاملین فی سبیل اللہ ہیں۔ ان میں فقراء اور مساکین بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ زکوٰۃ کا بنیادی مقصد ہی معاشرے سے فقر وافلاس کو ختم کرنا ہے چونکہ آج کل کے دور میں ملکی دفاع کا کام قومی سطح پر مربوط ہو گیا ہے۔ اور قومی میزانیہ اس کے تمام تر اخراجات برداشت کرتا ہے اس لیے "فی سبیل اللہ" کے مفہوم سے یہ مد فی الوقت نکل گئی ہے۔ اس طرح فقراء ومساکین کے علاوہ دین کی تعلیم تبلیغ اور پرچار تقسیم زکوٰۃ کی اہم اور مستقل مدیں ہیں۔ البتہ ضرورت پڑنے پر جہاد، غارمین اور کسی مشکل میں پھنسے ہوئے۔ مسافروں کے لیے بھی زکوٰۃ کی رقوم کو خرچ کیا جا سکتا ہے۔

صرفِ زکوٰۃ کے لیے فقہ حنفی میں یہ شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم وصول کرنے والے کی ملکِ تام ہو جائے تاکہ وہ اسے اپنی مرضی اور صوابدید کے مطابق استعمال میں لا سکے۔ چنانچہ ہمارے علماء کا خیال ہے کہ زکوٰۃ و عشر فنڈز کو ناداروں، حاجتمندوں، غرباء و مساکین، یتامیٰ اور بیوگان کی مدد کے لیے تو استعمال کیا جائے مگر ہسپتالوں و سکولوں جیسے سماجی کاموں اور عام لوگوں کی فلاح کے لیے مطلوب بنیادی معاشی ڈھانچے کی فراہمی (جیسے سڑکوں و پلوں کی تعمیر) کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ یہ بات جزوی طور پر قرینِ قیاس بھی ہے کیونکہ سڑکوں کی تعمیر کے لیے استعمال میں لانے کے بعد اصل حق داروں کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔

البتہ علامہ رشید رضا جیسے جدید دور کے علماء اور قاضی ابو یوسفؒ، جو فقہ حنفی کے بانیاں اور صاحبین میں سے ایک ہیں، اپنی "کتاب الخراج" میں زکوٰۃ و صدقات کا ایک حصہ سڑکوں کی بہتری کے لیے بھی تجویز کرتے ہیں کتاب کے الفاظ یہ ہیں: "وسَہمٌ فی إصلاح طرق المسلمین" کچھ دوسرے محققین کا بھی نکتہ نظر یہ ہے کہ پہلی چار مدوں میں تملیک کی شرط لازم ہے جن میں فقراء، مساکین، عاملین اور مولفۃ قلوب شامل ہیں ان کے لیے قرآن پاک میں "ل" کا لفظ استعمال کیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم انکے لیے ہیں یعنی ان کو دی جائیں تو وہ اس کے مالک شمار ہوں گے۔ جبکہ رقاب، غارمین، فی سبیل اللہ اور مسافرین کے لیے "فی" کا لفظ استعمال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم اِن مصارف میں استعمال کی جائیں یہاں تملیک لازمی نہیں ہے۔ ویسے بھی رقاب اور غارمین میں رقم تو غلام کے مالک اور قرض خواہ کو ملے گی۔ قاضی ابو یوسفؒ نے سڑکوں کی اصلاح کے لیے اموال زکوٰۃ میں سے جو ایک حصہ تجویز کیا ہے میری رائے میں ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے مال کے حصہ زکوٰۃ میں سے عام لوگوں کی ضرورت کے مطابق ایک کنواں کھدوا دے۔ کنواں ایک وقف بن جائے گا اور کسی ایک کی ملکیت نہیں ہوگا۔ اسلام دینِ فطرت ہے اس میں اتنی تنگی نہیں ہے کہ اس نیکی و فلاح کے کام کو بھی زکوٰۃ کے دائرہ سے نکال دیا جائے۔ قدیم دور کی سڑکوں پر آج کل کی طرح اتنی لاگت بھی نہیں آتی ہوگی۔ اُن سے جھاڑیاں وغیرہ کاٹ دینا اور ان پر مسافرخانوں اور

کنوؤں کی تعمیر کی جاتی ہوگی جن کی حیثیت بدل جاتی ہے ۔ یہاں ایک اور قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ دیگر فقہی سکول تملیک کی شرط پر زور نہیں دیتے ۔ اس ساری بحث کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آج کل کے معاشی و سماجی حالات کے مطابق تقسیم زکوٰۃ کا مسئلہ اجتہاد طلب ہے مگر ایک بات بالکل واضح ہے کہ جب ہم زکوٰۃ کو اسلام کا سماجی بھلائی کا یا فلاحی نظام گردانتے ہیں تو ہمیں مدات زکوٰۃ کی تشریح نص اور اصل روح کو مدنظر رکھتے ہوئے کھلے دل سے کرنی ہوگی ۔ ورنہ معاشرے پر اس نظام کا اثر عارضی اور بالکل غیر محسوس ہوگا ۔ چونکہ سنی مسلک کے تین فقہی سکولوں اور فقہ جعفریہ کے علماء تملیک کی شرط عائد نہیں کرتے اس لیے فقہ حنفی کے اصول میں معمولی نرمی پیدا کرکے ہم یہ نتیجہ ضرور اخذ کرسکتے ہیں کہ انفرادی کی بجائے اجتماعی (Collective) تملیک کو مانتے ہوئے ایسی جگہوں پر صرفِ زکوٰۃ کی اجازت دے دیں جہاں مستحقین کی ملکیت اجتماعی ہو۔

تقسیم زکوٰۃ و عشر کا ایک اور پہلو تقسیم لحاظ علاقہ ہے ۔ اسلام کے دورِ اول کا طریقہ یہ تھا کہ مختلف علاقوں کے عاملین / گورنر زکوٰۃ وصول کرتے اور وہیں خرچ کر دیتے ۔ البتہ اگر بچ جاتی تو دارالخلافہ میں امیر المؤمنین کے پاس بھیج دیتے ابو عبیدؒ کتاب الاموال" میں عمر بنؒ عبدالعزیز کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے عمالِ زکوٰۃ کو حکم دیا کہ وہ استطاعت نہ رکھنے والوں کے قرضہ ادا کریں، اُن کی شادی کے اخراجات برداشت کریں اور نادار غیر مسلم افراد کی ساری ضرورت پوری کریں ۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں معاذ بنؓ جبل نے یمن سے اموالِ صدقات میں سے ایک تہائی حصہ خلیفہ کے پاس بھیج دیا حضرت عمرؓ ناراض ہوئے ۔ اگلے سال نصف حصہ اور اس سے اگلے سال سارا مال امیر المؤمنین کے پاس بھیج کر یہ وضاحت کی کہ" واللہ یہاں مجھے کوئی بھی ایسا ضرورت مند نہیں ملا جو مجھ سے کچھ صدقہ د زکوٰۃ لینے کا مستحق ہو" حضرت عمرؓ نے بستر مرگ پر یہاں تک فرمایا کہ زکوٰۃ و صدقات جہاں سے لیے جائیں وہیں تقسیم کردیے جائیں یہاں تک کہ ہر دیہاتی ۱۰۰ اونٹ کا مالک بن جائے ۔ یہ روایات ہمارے زیرِ نظر مسئلہ کو بہت بڑی حد تک حل کر دیتی ہیں ۔ اگر وسائل اجازت دیں تو نہ صرف غریب و مقروض مسلمانوں کے قرضے مال زکوٰۃ سے ادا کیے جاسکتے ہیں بلکہ مسلم حاجت مندوں کی مدد بھی کی جاسکتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کے اس فلاحی نظام میں کافی وسعت اور لچک موجود

ہے۔ ہمیں اپنے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے غربا ر مساکین، (کم آمدنی والوں) کی حتمی بھلائی کے لیے کوئی مؤثر طریقہ اپنانا ہے۔ جس سے وسائل ضائع نہ ہوں، معاشرے پر دیرپا اور اچھے اثرات مرتب ہوں اور تمام طبقوں کی معاشی حالت بہتر ہونے سے سماجی و دینی بندھن مضبوط ہو جائیں۔

سر ماخذ سے لی گئی لازمی زکوٰۃ کی سب سے زیادہ مقدار بینکوں کی رقوم سے منہا کی جاتی ہے۔ بینک پورے ملک سے جمع کی گئی بچتوں اوران کی زکوٰۃ کو اپنے صدر دفاتر تک پہنچا دیتے ہیں اس طرح زکوٰۃ پورے ملک سے مرکزی سطح پر کاٹی جاتی ہے۔ چنانچہ مرکزی زکوٰۃ کونسل پورے ملک میں دی گئی ترجیحات کے تحت اس کو تقسیم کرتی ہے حتمی تقسیم مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کی وساطت سے یا پھر مستحق اداروں کو عطیات کی شکل میں ہوتی ہے۔ عُشر کا معاملہ اس سے مختلف ہے موجودہ صُورت حال تو یہ ہے کہ پورے ملک میں صرفِ عشر کا کوئی ایک طریقہ رائج نہیں اور نہ ہی مصارف متعین کئے گئے ہیں۔ البتہ یہ بتا دیا گیا ہے کہ عشر جہاں سے لیا جائے، وہیں خرچ کیا جائے۔ میری رائے میں معاملہ کو اس طرح ادھورا چھوڑ دینے سے کارکردگی بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ کسی منصوبہ بندی کے بغیر نہ تو رقوم صحیح طور پر اکٹھی ہوں گی۔ اور نہ ہی سائنٹیفک بنیادوں پر ان کو زیادہ سے زیادہ بہتر انداز میں خرچ کیا جا سکے گا۔ حکومت کی طرف سے نگرانی، راہنمائی یا خبرگیری اور احتساب کے بغیر رقوم ضائع ہوں گی اور اگر عشر صرف ان علاقوں میں خرچ کر بھی دیا جائے جہاں سے حاصل ہو تو زیادہ زرخیز زمین یا زیادہ آمدنی والے کچھ علاقوں پر تو اچھے اثرات ہوں گے مگر علاقائی عدم مساوات کو مزید وسعت ملے گی جس سے آج کل کے دور میں کئی ایک مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

صرفِ عُشر کے سلسلے میں میری رائے یہ ہے کہ رقوم کو تحصیل و ضلع کے دائرہ میں لایا جائے۔ ملک میں آبادی کے بڑھتے ہوئے دباؤ اور وسائل روزگار و بہتر سہولتوں کی تلاش میں شہروں کو منتقلی کا رجحان اس بات کا شدت سے متقاضی ہے کہ ہم زراعت پر مبنی گھریلو صنعتوں کے قیام سے دیہات میں ہی صنعتی انقلاب برپا کر دیں۔ چنانچہ رقوم تحصیل و ضلع کی سطح پر اکٹھی ہوں۔ بعد میں ضلعی انتظامیہ اور مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں سے مل کر رقوم کی تقسیم

کا تعین کیا جائے ۔ زکوٰۃ انتظامیہ کی طرف سے تقسیم کی جانے والی رقوم کا ایک کم سے کم مقرر حصہ (مثلاً ۱۰فیصد) نقد عطیات یا غربا کی ضرورت پر خرچ کر دیا جائے اور زکوٰۃ و عشر کو دستکاری اور چھوٹے درجوں کے صنعتی منصوبوں میں لگایا جائے ۔ ان منصوبوں میں قالین، غالیچے، اشیائے خورد و نوش کی پراسیسنگ دھاگہ، سلے سلائے کپڑے، زرعی پیداوار کی پراسیسنگ پولٹری و ڈیری فارم، نہروں یا راجباہوں پر لگائے جانے والے بجلی پیدا کرنے کے چھوٹے یونٹ یا بائیو گیس پلانٹ، چھوٹا انجنیرنگ کا سامان اور مختلف صنعتوں میں استعمال ہونے والے صنعتی اوزار کے کارخانے وغیرہ شامل ہیں۔ تجربہ کامیاب ہونے پر ضلعی سطحوں پر کھاد، سیمنٹ اور چینی بنانے کے کچھ کارخانے بھی اس لسٹ میں شامل کئے جاسکتے ہیں ۔ تملیک کا مسئلہ حل کرنے کے لیے اور مستحقین کے مفاد کو محفوظ بنانے کے لیے یہ منصوبہ جات متعلقہ مقامی زکوٰۃ کمیٹی کی اجتماعی ملکیت میں دیے جائیں ۔ ان کی آمدنی بھی کمیٹی کی آمدنی ہونے کی حیثیت سے غربا و مساکین کی ہی ہوگی ۔ ان میں ملازمت کے سلسلے میں پہلا حق مستحقینِ زکوٰۃ کا ہوگا۔ اس میں بیواؤں جیسے مستحقین میں تقسیم کیے جاسکتے ہیں تاکہ ان کی باعزت بحالی و امداد کا مستقل انتظام ہوسکے ۔

اموالِ زکوٰۃ سے غریب طبقہ کے لیے مکانات کی تعمیر راجح بات نہیں ہے ۔ کثیر رقم خرچ کرنے کے بعد بھی مفلسی اور محتاجی قائم رہے گی ۔ ترجیحاً زکوٰۃ اس طرح خرچ کی جائے کہ مستقل بحالی کا ہدف پورا کیا جاسکے ۔ پھر اس میں سیاسی و خاندانی بنیادوں پر جانبداری کا خدشہ بھی زیادہ ہے ۔

بجلی و ٹیلیفون کے کھمبوں و تاروں کی فراہمی اور سڑکوں اور پلوں کی تعمیر تو عشر کی رقوم سے نہیں ہونی چاہیے کیونکہ ایک تو ان پر خرچ بہت زیادہ ہوتا ہے اور دوسرے ان کا فائدہ غریبوں کی بجائے امیروں کو زیادہ ہوگا جو کہ زکوٰۃ کے نظام کی اصل روح کے خلاف ہے ۔ البتہ سکولوں اور ٹریننگ سنٹروں کا قیام وافر فنڈز کے میسر ہونے کی صورت میں تقسیمِ عشر کی مدات میں آسکتا ہے ۔

جہالت بجائے خود غربت و افلاس کا ایک سبب ہے ۔ جب بے روزگار مردوں اور کام کرنے کی خواہش مند خواتین کو قالین بافی، کپڑوں کی سلائی، بان کی بٹائی، الیکٹرانکس یعنی بجلی کے سامان کی مرمت، فرنیچر سازی اور دیگر کام آتے ہی نہیں ہوں گے تو ان کی مستقل بحالی ایک خواب بن کر رہ جائے گی ۔ چنانچہ دو یا تین دیہات کی سطح پر تعلیم اور ٹریننگ کے لیے کمرشل

ٹریننگ سنٹر قائم کیے جاسکتے ہیں جو زکوٰۃ کمیٹی کی ملکیت میں ہوں گے ۔ علاقے کے لوگوں کی آمدنی کے معیار کے مطابق حق دار لوگ یہ سہولت مفت حاصل کریں گے جبکہ خوشحالی اور استطاعت رکھنے والوں سے فیس لی جائے گی ۔ جب ان منصوبہ جات سے آمدنی شروع ہوجائے گی تو نہ صرف غربت وافلاس کے ستائے ہوئے طبقہ کی مالی حالت بہتر ہوگی ۔ بلکہ سماجی بہبود کے کام ایک منظم انداز میں کیے جاسکیں گے اور ترقیاتی مقاصد کے لیے بھی ان کا اثر واضح اور دور رس ہوگا ۔

زکوٰۃ کی رقوم کے درج بالا اسکیم کے تحت ترقیاتی منصوبہ جات میں استعمال کا جواز ایک دوسری جہت سے بھی ملتا ہے ۔ گداگری ایک بہت بڑی برائی اور سماجی لعنت ہے ۔ یہ بات بالکل عام فہم ہے کہ زکوٰۃ کی رقوم سب سے پہلے غربا اور ناداروں میں تقسیم کی جائیں اور ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ کسی شخص کو اپنی بنیادی ضروریات کے سلسلے میں سوال کرنے کی حاجت نہ رہے ۔ اس سے کسی کو بھی انکار نہیں ہے ۔ مگر گداگری کا مسئلہ صرف غربت کا پیدا کردہ نہیں ہے۔ اس کے اسباب ومحرکات میں فقر وافلاس ، بے روزگاری ، تن آسانی کی وجہ سے پیشہ ورانہ ترغیبات ، اغوا کار گروہوں کی کاروائیاں اور ان کا پولیس سے گٹھ جوڑ اور معذوری اور کسمپرسی شامل ہیں ۔ پچھلے چند سال کے گداگر خانوں کے تجربہ اور موجودہ صورت حال سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ غربت یا افلاس اس کا سب سے بڑا محرک نہیں ہیں ۔ عین ممکن ہے کہ گداگروں اور فقیروں کی کثیر تعداد کسی جبر واکراہ کی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہو ۔ راقم کی یہ تجویز ہے کہ گداگری کے خاتمہ کے لیے ایک کمیشن کی تشکیل کی جائے جو متعلقہ حل طلب مسائل اور امور پر غور وخوض کرکے انسداد کے لیے مؤثر تدابیر تجویز کرے ۔ اس ضمن میں قانونِ نفقات سے بھی بھرپور فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جس کے تحت محارم کو مجبور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے مفلس اقربا کی ضمانت لیں اور ہر مناسب و جائز حربہ کو استعمال لائیں جس سے ایسے اقربا کو گداگری سے بچایا جاسکے ۔

البتہ یہ بات حقیقت ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں اگر ہم زکوٰۃ وعشر کی تمام رقوم بھی گداگری کی لعنت کو ختم کرنے میں صرف کردیں گے تو پھر بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا ۔ اس لیے اس مسئلہ کو دیگر اقدام سے حل کیا جائے جس میں انتظامیہ کی اصلاح اور پیشہ ور گروہوں کا استیصال بھی

شامل ہیں۔ زکوٰۃ فنڈز کے خاطر خواہ حصّہ کو اس مد میں لگا کر ضائع نہ کیا جائے۔ بلکہ درج بالا اسکیم کے تحت ملک میں چھوٹی اور گھریلو صنعتوں کا قیام عمل میں لا کر نہ صرف بے روزگاری کو ختم کیا جائے بلکہ اپاہجوں اور معذوروں کے لیے مستقل ذریعۂ آمدنی کا اہتمام بھی کیا جائے تاکہ وہ غربت کی وجہ سے مانگنے پر مجبور نہ ہوں۔

عشر کی مد سے دینی مدارس کی امداد بھی ہمارے دیہی معاشرے کے دینی مزاج رکھنے والوں کا ایک پہلو رہا ہے۔ پچھلے ایک عشرے زکوٰۃ فنڈز سے کئی مدارس کو امداد فراہم کی جا رہی ہے جو عام طور پر صوبائی زکوٰۃ کونسل کے عطیہ کی شکل میں ہوتی ہے۔ میری رائے میں ایسے انتظامات کی ضرورت ہے کہ سیاسی یا گروہی بنیادوں پر جانبداری کا مظاہرہ نہ کیا جا سکے چنانچہ مقامی زکوٰۃ کمیٹیاں اپنے کھلے اجلاس میں اس بات کا تعین کریں کہ ان کی تحصیل یا ضلع کے کس مدرسہ کی کتنی امداد کرنا ہے۔ تحصیل کی سطح کے شعبہ زکوٰۃ کے نمائندے اس سلسلے میں رابطے کا فرض سرانجام دے سکتے ہیں وہ دیہی عوام کو ہر مدرسے کی تعلیمی صلاحیت اور وسائل کی ضرورت سے آگاہ کریں گے تاکہ ان کے استحقاق کا فیصلہ کیا جا سکے۔

صرفِ زکوٰۃ کا طویل المدت منصوبہ

گذشتہ صفحات میں بیان کی گئی اسکیم کے مطابق ایسے عملی اقدامات کی ضرورت ہے جس سے زکوٰۃ وعشر کی وصولی زیادہ سے زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ صرفِ زکوٰۃ کا نظام بھی اس طرح قائم کیا جائے کہ اس کے اثرات سماجی فلاح و بہبود اور اقتصادی ترقی دونوں پر ہوں لیکن جب تک زکوٰۃ فنڈز میں خاطر خواہ اضافہ نہیں ہوتا اس وقت تک زکوٰۃ کی رقوم کے بہتر سے بہتر استعمال کے لیے ایک طویل المدت زکوٰۃ فلاحی منصوبہ بنایا جا سکتا ہے۔ اس منصوبے کے تحت زکوٰۃ فنڈز کا ایک معقول حصہ (مثلاً فنڈز کا ۲۵ فیصد یا جتنا ضروری و مناسب ہو) ہر سال ملک کے چاروں صوبوں کے کچھ منتخب اضلاع (ہر صوبہ میں کم سے کم ایک) میں جو نسبتاً پسماندہ ہوں درج بالا اسکیم کے تحت اس طرح خرچ کیا جائے کہ سال کے خاتمہ تک کم سے کم ان اضلاع کی حد تک مستحقین کا فقر و افلاس ختم ہو جائے اور آئندہ کے لیے جب تک تمام اضلاع میں باری

باری غربت ختم کرنے کے لیے ایسے ہی نہ کرلیا جائے اس وقت تک ان اضلاع کو زکوٰۃ کی حد تک غیر مستحق قرار دے دیا جائے۔ اس منصوبہ پر عمل پیرا ہونے میں جو عملی دشواریاں پیش آسکتی ہیں ان کے تدارک کا پہلے سے بندوبست کرلیا جائے مثلاً مستحقین کی ایک ضلع سے دوسرے ضلع میں نقل مکانی کرکے مکرر فائدہ اٹھانے کے رجحان کو ختم کرنے کے لیے ہر ضلع کے مستحقین کی فہرستیں ایک دفعہ مکمل کرلی جائیں اور منصوبے کے تحت صرف درج فہرست مستحقین کو ہی شامل سمجھا جائے۔

اس منصوبے کے ابتدائی مراحل تجویز کردہ اسکیم کی کارکردگی اور کامیابی کے لیے ایک نمونہ (Model) کا کام دیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ گھریلو دستکاریوں وغیرہ کے قیام میں تمام معاشی و معاشرتی تحفظات کا دھیان رکھا جائے اور مؤثر احتساب کو یقینی بنایا جائے۔ فقہاء کی یہ رائے ہے کہ حکمرانوں اور انتظامیہ کے افراد کو اموالِ زکوٰۃ وصدقات کا بالکل اس طرح انتظام وانصرام کرنا چاہیے جس طرح یتیم کا ولی مالِ یتیم کے ضمن میں ذمہ دار اور جوابدہ ہوتا ہے۔

خلاصہ

زکوٰۃ وعشر کی وصولی اور تقسیم کا موجودہ نظام اتنا غیر مؤثر ہے کہ اس سے زکوٰۃ کا بنیادی مقصد پورا ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس کے لیے انتظام وانصرام میں اصلاح کے ساتھ ساتھ ایک طرف تو زکوٰۃ کی وصولیوں کو بڑھانے اور دوسری طرف اس کی بہتر سے بہتر تقسیم کے لیے منظم کوششوں کی ضرورت ہے۔ ناانصافی اور حکومت کی طرف سے مصلحت پسندی کے احساس کو ختم کرنے کے لیے آبادی کے تمام طبقوں کو قطع نظر ان کے مذہب وعقیدہ کے سماجی بھلائی کے اس محصول کے تحت لایا جائے۔ زیادہ سے زیادہ اموال پر لازمی زکوٰۃ عائد کی جائے۔ خصوصاً تجارتی وصنعتی اموالِ تجارت پر زکوٰۃ کو ان کے مالکان کی صوابدید پر ہی نہ چھوڑا جائے۔ عشر کی تشخیص کے کام کے لیے پٹواریوں اور ٹھیکے داروں کے ریکارڈ پر بھروسہ کرنے کی بجائے اصل پیداوار کو بنیاد بنایا جائے۔ نمونے کی کاشت (Model HARVEST) کی بنیاد پر تمام کاشتکاروں پر ایک ہی شرح سے فی ایکڑ عشر کا نفاذ ناانصافی پر مبنی ہے۔ علماء اور اسلامی نظریاتی کونسل کی طرف سے مقدارِ نصاب (۹۴۸ کلو گرام گندم) کو "چھوٹ کی حد"

(EXEMPTION LIMIT) بنانے کے بارے میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ اس صورت میں عشر کی رقوم اور دیہاتی آبادی کی آمدنی پر اس کے اثرات کا تفصیل سے جائزہ لیا جائے۔ یہ دیکھنا ہوگا کہ آرڈیننس میں دی گئی ایک تہائی یا ایک چوتھائی کی چھوٹ کو ختم کر کے مقدارِ نصاب کی ہی چھوٹ دے دی جائے تو اس سے عشر کی وصولی اور لوگوں کی آمدنی کی تقسیم پر کیا اثر پڑے گا۔ زکوٰۃ وعشر کی رقوم کے استعمال کے ضمن میں انقلابی تبدیلی لائی جائے، اور عشر سے اکٹھی ہونے والی رقوم سے دیہات کی سطح پر گھریلو دستکاریوں اور دیگر چھوٹی صنعتوں کے یونٹ لگائے جائیں۔ ایسے یونٹ مقامی کمیٹی / مستحقین کی ہی ملکیت ہوں ان میں روزگار کا حق بھی پہلے انہیں کا ہو۔ ایسے معذوری کی وجہ سے کام نہ کر سکنے والے مردوں و بیوہ خواتین کو ان یونٹوں کے حصص دیے جائیں تاکہ ان کی ضروریات کا مستقل انتظام ہو سکے۔ مقامی سطح پر وصولی و صرف زکوٰۃ کے مؤثر احتساب کا انتظام کیا جائے۔ عوام کو اس محصول کی مذہبی حیثیت کے بارے میں وقفے وقفے سے آگاہ کیا جائے اور اس میں خرد برد کو نہ صرف مذہبی و سماجی برائی کے طور پر پیش کیا جائے بلکہ اس میں ملوث افراد کو سبق آموز سزائیں بھی دی جائیں۔ گداگری کو ختم کرنے کے لیے زکوٰۃ کی رقوم کے استعمال سے زیادہ دوسرے محرکات پر قابو پایا جائے جن میں انتظامیہ کی اصلاح اور حکومت کی طرف سے متمول محارم یعنی رشتہ داروں کو ان کے مفلس و محتاج عزیزوں کی خبر گیری کا احساس دلانا یا ذمہ دار ٹھہرانا بھی شامل ہیں۔ وصولی و تقسیم کے نظام کو بہتر انداز سے چلانے کے لیے دو یا تین مقامی زکوٰۃ کمیٹیوں کی سطح پر ایک ٹرسٹ بھی بنایا جا سکتا ہے جو درج بالا اسکیم کے مطابق ایک فلاحی معاشرے کے قیام کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب انتظامات کو یقینی بنائے۔ زکوٰۃ وعشر کو ایک کامیاب فلاحی معاشی نظام بنانے کے لیے لازمی ہے کہ ملک سے رشوت، سفارش، اقرباپروری، اسمگلنگ، فحاشی اور قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ جیسی سماجی، اخلاقی اور معاشی برائیاں ختم کی جائیں تاکہ ایک دوسرے سے محبت، رضاکارانہ طور پر دوسروں سے ہمدردی اور قومی یکجہتی خود غرضی کے تیزی سے بڑھتے ہوئے رجحان کی جگہ لے سکیں۔ نظامِ زکوٰۃ کو قومی و علاقائی سیاست سے الگ رکھا جائے۔ محض تخیلاتی بیانات اور نعرے بازی کی بجائے معاشرے اور نظام دونوں میں بنیادی تبدیلیاں لائی جائیں تاکہ عام آدمی کی فلاح و بہبود کے مقصد کو حاصل کیا جا سکے۔